© rasailojaraid.com

فروغِ سائنس کی ضرورت اور اہمیت

فیضان اللہ خان°

معروف انگریز ناول نگار ایچ جی ویلز نے آج سے تقریباً ایک سو برس قبل سائنس فکشن پر مبنی ایک ناول ''ٹائم مشین'' کے عنوان سے لکھا تھا۔ اس ناول میں سائنس و ٹکنالوجی کے انسانی معاشرے پر بڑھتے ہوئے اثرات اور استحصالی قوتوں کے ہاتھوں اس کے مسلسل غلط استعمال سے برآمد ہونے والے ممکنہ نتائج کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

ناول کا ہیرو وقت میں سفر کرنے والی ایک مشین یعنی ''ٹائم مشین'' ایجاد کرتا ہے۔ اس مشین کے ذریعے وقت میں سفر کر کے وہ لاکھوں سال بعد کے زمانے میں جا پہنچتا ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ اردگرد کے علاقے کی سیر کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا کا ماحول اُس دنیا کے ماحول سے یکسر مختلف ہے جہاں سے وہ آیا ہے: ہر طرف سبزہ ہی سبزہ پھیلا ہوا ہے، شہروں اور دیہات کا تصور ختم ہو چکا ہے اور لوگ بڑی بڑی عمارتوں میں، جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع ہیں، گروہوں کی شکل میں اکٹھے رہتے ہیں۔ یہ انسان انتہائی نرم و نازک اور خوب صورت ہیں اور اپنے آپ کو ''ایلوئی'' (Elois) کہتے ہیں۔ یہ لوگ ہر قسم کی فکر معاش سے آزاد ہیں اور سوائے کھانے پینے، اٹھکھیلیاں کرنے اور آرام کرنے کے، انھیں کوئی کام نہیں ہے۔

ناول کا ہیرو ان لوگوں سے دوستی کر لیتا ہے۔ ایک طرف وہ ان لوگوں کی مادر پدر آزاد زندگی کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، لیکن دوسری طرف اس بات پر دل ہی دل میں حیران ہوتا ہے کہ انھیں کھانے پینے اور دیگر ضروریات زندگی کا سامان کہاں سے فراہم ہوتا ہے جب کہ یہ لوگ خود اس قسم کی کسی فکر سے بے نیاز نظر آتے ہیں اور نہ ان میں معاشی جدوجہد کرنے کی سکت معلوم ہوتی ہے۔ تاہم ایک عجیب بات وہ نوٹ کرتا ہے

° معاون ریسرچ آفیسر، اردو سائنس بورڈ، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ یہ لوگ دن میں تو آزادانہ ہر طرف چہل قدمی کرتے ہیں لیکن رات سے بہت گھبراتے ہیں اور شام ہوتے ہی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان بڑی بڑی عمارتوں میں لوٹ جائیں جن میں بند ہو کر وہ اپنے آپ کو محفوظ تصور کرتے ہیں۔

چند دن وہاں گزارنے کے بعد جب تمام حقائق سامنے آتے ہیں تو اسے پتا چلتا ہے کہ لاکھوں برس کے عرصے میں ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے نسلِ انسانی دو شاخوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ ایلوئیوں کے علاوہ انسانوں کی ایک اور نسل بھی ہے جس کے افراد ''مارلاک'' (Morlocks) کہلاتے ہیں۔ ایلوئیوں کے برعکس مارلاک انتہائی مضبوط، گٹھے ہوئے اور فعال، لیکن اسی قدر بھدے، بدشکل اور بدوضع لوگ ہیں۔ انھیں سائنس اور ٹکنالوجی پر زبردست عبور حاصل ہے لیکن ان کی کارگاہ تمام کی تمام زیرزمین واقع ہے جہاں انھوں نے صنعت و حرفت کا وسیع جال بچھا رکھا ہے۔ اپنی فیکٹریوں میں یہ لوگ (مارلاک) اپنی اور ایلوئیوں کی تمام ضروریات زندگی تیار کرتے ہیں۔ یہ تمام کام وہ زیرزمین اندھیرے میں کرتے ہیں۔ وہ صرف اندھیرے میں دیکھ سکتے ہیں اور روشنی سے بھاگتے ہیں۔ یہاں تک کہ محض ایک دیا سلائی کی روشنی سے ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور وہ عملاً بالکل اندھے ہو کر رہ جاتے ہیں۔

رات کا اندھیرا پھیلتے ہی مارلاک بعض کنویں نما راستوں کے ذریعے زمین کے اوپر آتے ہیں اور ایلوئیوں کے لیے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا سامان چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی روزانہ چند ایلوئیوں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ لیکن کیوں---؟ اس لیے کہ ایلوئی، مارلاکوں کی خوراک ہیں! کمزور، بے بس اور بے کس ایلوئی نہ اپنی خوراک کا بندوبست کرنے کے قابل ہیں اور نہ خود کو مارلاکوں کی خوراک بننے سے بچانے کی قدرت رکھتے ہیں، سوائے اس کے کہ رات ہوتے ہی جلد از جلد اپنی محفوظ پناہ گاہوں میں پہنچ جائیں۔ کوشش کے باوجود چند ایک ایلوئی روزانہ مارلاکوں کا شکار بن جاتے ہیں۔

ایچ جی ویلز کا مذکورہ ناول سائنس کے مستقبل کے بارے میں ایک صدی پرانی سوچ کی عکاسی کرتا ہے (مثلاً سائنسی ترقی کی بدولت آج انسان خلا میں بستیاں بسانے کے خواب دیکھ رہا ہے جب کہ اس ناول میں سائنسی ترقی کے نتیجے میں انسان کو زمین میں ''بل'' کھود کر آبادیاں قائم کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے)۔ اس کے علاوہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ بات ہمارے عقیدے میں شامل ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا جب دنیا کا نظام انصاف کے اصولوں پر قائم ہوگا۔ اس لحاظ سے مذکورہ ناول میں ظاہر کیے گئے خدشات ایک قنوطیت پسند (pessimist) مفکر کے افکار پریشان کن تو نظر آتے ہیں۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ، لیکن جب ہم دیکھتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ دنیا بھر میں طاقت ور قومیں کس ہمہ گیر انداز میں کمزور اقوام کے گرد اقتصادی استحصال کے پنجے کی گرفت مضبوط کرتی جارہی ہیں تو محسوس یہی ہوتا ہے کہ خدانخواستہ کچھ عرصے بعد یہ نوبت آجائے گی جب کمزور اور بے بس اقوام اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کے لیے طاقت ور اقوام کی دست نگر ہوں گی اور اس کے عوض اپنے تمام حقوق عملی طور پر ان اقوام کے پاس گروی رکھ دیں گی۔ ''ٹائم مشین'' میں اگرچہ اس صورتِ حال کی انتہائی مبالغہ آمیز عکاسی کی گئی ہے یعنی ترقی یافتہ اور طاقت ور انسان کمزور اور پس ماندہ انسانوں کی تمام ضروریات پوری کریں اور انھیں اپنی خوراک کے طور پر استعمال بھی کریں' تاہم اس صورت حال پر غور کرنے کے نتیجے میں ہم کئی مسائل کا سبب جان سکتے ہیں جو اُمتِ مسلمہ کو درپیش ہیں' مثلاً یہ کہ وہ کون سی قوت ہے جو اس معاشی استحصال کو ممکن بنا رہی ہے؟ آج کی دنیا میں اس کا جواب ہے: سائنس اور ٹکنالوجی پر عبور۔ آج کسی بھی ملک کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی پر دسترس حاصل کیے بغیر ایک مضبوط معیشت کی بنیاد رکھ سکے اور مضبوط معیشت کو پایدار بنانے کے لیے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ اس ملک میں ''بنیادی سائنسی تحقیق'' کو مستحکم بنیادوں پر ترقی دی جائے۔

آج ہمارا ملک بھی عالمی مالیاتی اداروں کے چنگل میں بری طرح پھنس چکا ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی تدبیر کامیاب ہوتی نظر نہیں آتی۔ یہ درست ہے کہ اس صورتِ حال کی بنیادی وجوہ ہماری حکومتوں کی غلط معاشی پالیسیاں اور ہمارے حکمرانوں کی بدعنوانیاں ہیں لیکن بفرض محال ہماری کوئی حکومت بہتر اقتصادی پالیسیوں' ٹیکسوں کی وصولی کے نظام کی اصلاح اور کرپشن کے خاتمے کے ذریعے بین الاقوامی قرضوں سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتی ہے تو ہماری معیشت پر ہمارا اپنا کتنا کنٹرول ہوگا جب کہ ہماری بیشتر ضروریات ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات سے پوری ہو رہی ہوں گی۔ آج ہمارے ملک میں ادویہ سازی' کیمیکلز انجینیرنگ' الیکٹرونیات' کاسمیٹکس' مشروبات اور ''ماکولات'' وغیرہ پر جس طرح اِن کثیر قومی اداروں کی اجارہ داری قائم ہے اور دن بدن بڑھتی جارہی ہے' اس کی موجودگی میں اپنی معیشت پر ہماری گرفت کتنی ہوگی' سوچنے سمجھنے والے دماغ اچھی طرح اندازہ کرسکتے ہیں۔

ان بین الاقوامی کمپنیوں نے عالمی سطح پر اپنی مصنوعات کی مقبولیت کو برقرار رکھنے اور نئی سے نئی مصنوعات متعارف کروانے کے لیے اپنے بجٹ کا ایک بڑا حصہ تحقیق کے لیے مختص کر رکھا ہوتا ہے جس میں سائنسی تحقیق بھی شامل ہے اور غیر سائنسی بھی۔ لہٰذا وہی فریق مسابقت کے میدان میں ٹِک سکتا ہے جو اپنی مصنوعات کے لیے اسی درجے کی تحقیق کا اہتمام کرے گا۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کا تعلق جن ممالک سے ہے' وہاں پر یونی ورسٹیوں اور دیگر تحقیقی اداروں میں بنیادی سائنسی تحقیق بڑے پیمانے پر کی جاتی ہے لہٰذا ان اداروں کو صنعتی تحقیق کے سلسلے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید ترین سائنسی تحقیق کے بغیر صنعتی میدان میں ناکام ہونے کی ایک مثال ملایشیا کی ہے جس نے چند برس قبل جدید ٹکنالوجی درآمد کر کے صنعتی ترقی کی منزلیں بڑی تیزی سے طے کیں اور "ایشیائی ٹائیگر" کہلانے لگا۔ لیکن عالمی مارکیٹ میں زیادہ دیر تک اپنی حیثیت برقرار نہ رکھ سکا اور آج اس شیر کی مشکیں کسی جاچکی ہیں! اس صورت حال کے پیچھے جہاں اقتصادی اجارہ داری رکھنے والے ممالک اور ان کے زیر اثر چلنے والے عالمی مالیاتی اداروں کا ایک کردار ہے وہیں اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ ملایشیا نے اپنی صنعتی ترقی کو برقرار رکھنے اور ہر دم آگے بڑھتی ہوئی صنعتی دنیا میں مسابقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے درکار ہمہ گیر اور مسلسل سائنسی تحقیق کی طرف سے غفلت برتی جس کے نتیجے میں اس کے صنعتی ادارے بین الاقوامی مارکیٹ میں ترقی یافتہ ممالک کے صنعتی اداروں کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو گئے۔

سائنسی تعلیم کو فروغ دینا بنیادی طور پر حکومت کی ذمہ داری ہے اور وہی اس کے کثیر اخراجات برداشت کر سکتی ہے لیکن ہمارے ملک میں حکومت نے اسی شعبے کو سب سے زیادہ نظر انداز کیا ہے۔ کسی بھی دور میں کی جانے والی منصوبہ بندی میں سائنسی تعلیم اور تحقیق کو اہمیت نہیں دی گئی بلکہ اسے ہمیشہ ایک بے کار اور غیر ضروری چیز اور اس پر سرمایہ لگانے کو پیسے کا ضیاع سمجھا گیا۔ اب حال ہی میں اس طرف توجہ دی گئی ہے اور مناسب وسائل فراہم کیے گئے ہیں۔ لیکن جس حکمت عملی پر عمل ہو رہا ہے وہ ایسی ہے جیسے بغیر زمین تیار کیے فصل اُگانے کی کوشش کی جائے۔ اصل ضرورت یہ ہے کہ مناسب انفراسٹرکچر قائم کیا جائے' سائنس کی بنیادی تعلیم عام کی جائے' انجینیری اور فنی تعلیم کے اداروں کا جال پھیلایا جائے' نصاب بھی ایسا بنایا جائے جو ہماری تہذیب اور اقدار کا عکاس ہو' حقائق کائنات کے علم کے ذریعے خالق کائنات کی معرفت بہم پہنچانے والا ہو۔ انفارمیشن ٹکنالوجی (IT) کو اہمیت ضرور دی جائے' لیکن صرف اسی کو نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی دنیا کے کسی بھی ملک کی حکومت نے سائنس کے فروغ میں دل چسپی نہیں لی' حالانکہ کئی اسلامی ممالک تیل کی دولت سے مالا مال ہیں اور سائنسی تعلیم و تحقیق پر اٹھنے والے اخراجات بہ آسانی برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن مفت کی دولت ملنے کے سبب ان ممالک کے لیے دنیا کی ہر چیز خرید لینا آسان ہو گیا لہٰذا انھیں سائنس اور ٹکنالوجی پر دسترس حاصل کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے ۵۵ اسلامی ممالک صنعت و حرفت کے میدان میں مغربی اقوام میں سے کسی ایک کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ تیل کی دولت ختم ہونے پر ان ممالک کا انجام کیا ہوگا' اس کی انھیں کوئی پروا نہیں ہے۔

یہاں پر اسلامی دنیا (بالخصوص پاکستان) کی اقتصادی پس ماندگی اور سائنس اور ٹکنالوجی کے شعبے میں اس کی پستی کا ترقی یافتہ ممالک سے تقابل کرنے سے صورت حال مزید واضح ہو سکے گی۔

- ۵۵ خود مختار اسلامی ممالک (اور ...) پر مشتمل "اسلامی دنیا" کی مجموعی قومی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیداوار ۱۱۵۰ ارب امریکی ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ اس کے مقابلے میں جرمنی کی پیداوار ۲۴۰۰ ارب ڈالر، اور جاپان کی پیداوار ۵۱۰۰ ارب ڈالر ہے۔ (سائنس کی اعلیٰ تعلیم اور پاکستان 'ڈاکٹر عطاء الرحمن' ص ۲۱-۲۲)

- دنیا میں ہونے والی سائنسی تحقیق پر اٹھنے والے کل مصارف میں اسلامی دنیا کا حصہ صرف ایک فی صد ہے۔ (ایضاً، ص ۴۷)
- اس وقت دنیا بھر میں ایک سال کے اندر تقریباً ایک لاکھ سائنسی کتب اور ۲ لاکھ سائنسی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ ان میں اسلامی ممالک سے شائع ہونے والی کتب و مقالات کی کل تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔ (ص ۴۷)
- امریکہ میں ایک معیاری جامعہ (اور امریکہ میں ایسی بیسیوں جامعات موجود ہیں) کا سالانہ بجٹ ایک ارب امریکی ڈالر، یا اس سے زیادہ ہے۔ جب کہ پاکستان میں سائنس و ٹکنالوجی پر کل ۸ کروڑ ڈالر سالانہ خرچ کیے جاتے ہیں۔ (ص ۴۹)
- تحقیق و ترقی (research & development) کے شعبے سے منسلک سائنس دانوں کی تعداد امریکہ میں ساڑھے نو لاکھ سے زائد، جاپان میں تقریباً آٹھ لاکھ، بھارت میں ایک لاکھ ۳۶ ہزار اور پاکستان میں صرف ۱۲ ہزار ہے۔ (بحوالہ یونیسکو کی سالانہ شماریاتی کتاب ۱۹۹۷ء (جدول)، ص ۶۰)

گذشتہ چند برسوں کے دوران میں کامرس اور بزنس کی تعلیم نے ہمارے ملک میں زبردست فروغ حاصل کیا ہے، جس میں اب کمپیوٹر سائنس یا انفارمیشن ٹکنالوجی بھی شامل ہو گئی ہے۔ سرکاری اور نجی دونوں شعبوں میں اس قسم کی تعلیم دینے والے بے شمار ادارے کھل گئے ہیں۔ یہ تمام ادارے ''فروغ تعلیم'' کے نام پر منافع بخش کاروبار کر رہے ہیں۔ لیکن ان اداروں سے فارغ ہونے والوں کی قسمت کہاں کھلتی ہے؟ ملٹی نیشنل کمپنیوں میں۔ یہ کمپنیاں ہمارے ملک کے ہونہار اور قابل نوجوانوں کو اعلیٰ مشاہروں پر ملازم رکھ لیتی ہیں اور یوں روزگار کے مسئلے کو حل کرنے میں کسی حد تک مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن جتنا یہ کمپنیاں ہمارے روزگار کا مسئلہ حل کرتی ہیں اس سے کہیں زیادہ ہماری معیشت کے لیے خطرات میں اضافہ کرتی ہیں، کیونکہ ان کے منافع کا بہت بڑا حصہ ملک سے باہر جاتا ہے اور مقامی ملازمین کی تنخواہوں کی صورت میں جو دولت ملک میں رہ جاتی ہے وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ملٹی نیشنل کمپنیوں میں اعلیٰ ملازمتیں کرنے والے ہمارے نوجوان نادانستہ اس اسکیم کا حصہ بن رہے ہیں جس کے تحت دنیا کے تمام وسائل سمٹ کر چند گروہوں کے قبضے میں آجائیں گے اور باقی لوگوں کے ہاتھوں میں صرف محرومیاں رہ جائیں گی --- وہ لوگ جو نہ اپنی غذا حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے اور نہ خود کو دوسروں کی ''غذا'' بننے سے بچانے کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ویسے بھی آج کل عالمی معیشت پر حکومتوں سے زیادہ کاروباری اداروں کی گرفت ہے جس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔)

سائنس کی جانب ہمارا عمومی رویّہ بھی بہت ہی مایوس کن ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے زوال کے اسباب میں تحقیق اور خصوصاً سائنسی تحقیق سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرنا بھی ایک اہم سبب تھا۔ پھر جب سے یورپ میں سائنسی علوم کی بنیادیں لادینی نظریات پر استوار ہوئی ہیں، ہمارے ہاں اسے ایک کافرانہ علم سمجھا جانے لگا ہے۔ آج بھی بہت سے دینی گھرانوں میں سائنسی تعلیم سے بیزاری کا سبب غالباً یہی ہے کہ سائنس پڑھنے سے آدمی لادین یا دہریہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ آج جب ہم اسلام کی نشاتِ ثانیہ کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہیں، سائنس پر عبور حاصل کرنے اور اسے ''مشرف بہ اسلام'' کرنے کی انتہائی سخت ضرورت ہے۔ اس کے بغیر نشاۃ ثانیہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔

دوسری طرف ہمارے ہاں تعلیم کو بالعموم کاروبار سے زیادہ کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ ہم اپنے بچوں کو جس شعبے میں تعلیم دلوانا چاہتے ہیں، اس کی افادیت کو محض اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں کہ یہ اُن کے لیے معاشی لحاظ سے کتنا سودمند ثابت ہوگا۔ سائنس کی اعلیٰ تعلیم کی قدر صرف اس بنیاد پر کی جاتی ہے کہ اس میں نوکری کے ساتھ ساتھ معقول ٹیوشن ملنے کے روشن امکانات ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں سائنس میں تحقیقی کام کرنے کی خواہش رکھنے والے طالب علم اوّل تو نہ ہونے کے برابر ہیں اور جو ہیں وہ تحقیقی سہولتیں میسر نہ ہونے کے سبب عموماً اپنے ارادوں میں ناکام رہتے ہیں۔ اگر کوئی ذہین اور خوش قسمت طالب علم سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بیرونِ ملک جانے میں کامیاب ہو جائے تو اس کے لیے واپس اپنے ملک میں آ کر اپنی صلاحیتوں سے مستفید کرنے کے مواقع نہیں ہوتے۔ لہٰذا بالعموم ایسے طالب علم بیرونِ ملک ہی اپنی صلاحیتوں کو فروغ دینے میں مصروف رہتے ہیں۔ اور یوں ہمارا ملک بہت سے ذہین، محنتی اور لائق انسانوں کی قابلِ قدر خدمات سے محروم رہ جاتا ہے۔

جدید سائنس کی بنیاد رکھنے والوں نے سائنس سے خدا کے تصور کو بالکل خارج کر دیا، لہٰذا کائنات اور اس کے مظاہر کے بارے میں بہت سی سائنسی تعبیرات دینی عقائد کے برعکس ہیں، لیکن بجائے اس کے کہ ہم سائنس سے نفرت کرنا اور اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیں، ہمیں سائنسی تعلیم کی حوصلہ افزائی اس بنا پر کرنی چاہیے کہ ہمارے سائنس دان، درست نقطۂ نظر سے سائنسی نظریات اور ان کی تعبیرات کے میدان میں آگے بڑھیں گے تو ٹکراؤ کے بجائے مفاہمت ہوگی، اور حق کا اثبات ہوگا۔

جس نشاتِ ثانیہ کا خواب ہم دیکھ رہے ہیں، وہ اس وقت تک وقوع پذیر ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ ہم تمام دنیاوی علوم و فنون پر مکمل دسترس حاصل نہ کر لیں جیسا کہ سید مودودیؒ نے ادارۂ معارف اسلامی، کراچی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

اسلامی تحریک جب دنیا میں اٹھی تھی اس وقت مسلمانوں نے دوسری قوموں پر محض سیاسی یا فوجی غلبہ ہی حاصل نہیں کیا تھا بلکہ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مسلمان بھی اس وقت ایسے تھے جو تحقیقات کا کام کرنے میں سب سے پیش پیش تھے، جنھوں نے نہ صرف یہ کہ زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی بلکہ ان معلومات کو اپنے نقطۂ نظر، اپنے طرزِ فکر اور اپنے عقیدے کے مطابق مرتب کیا۔ چنانچہ ایک ایسی غالب تہذیب اس کی بدولت وجود میں آئی جس کے رنگ میں دنیا رنگتی چلی گئی۔ (تہذیبی کش مکش میں علم و تحقیق کا کردار، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ادارہ معارف اسلامی کراچی، جون ۲۰۰۰ء، ص ۹-۱۰)

... اگر ہم اپنی زندگی چاہتے ہیں، اپنی بقا چاہتے ہیں، اور اپنا ارتقا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ ہم نئے سرے سے علمی تحقیقات کا کام کریں۔ (ایضاً، ص ۱۵)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زمین و آسمان کا مشاہدہ کرنے اور ان پر غور کرنے کا بار بار حکم دیا ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو آج غیر مسلم قومیں اس فرمان خداوندی پر ہم سے کہیں زیادہ عمل کر رہی ہیں۔ یورپ، امریکہ اور جاپان میں اجرامِ فلکی کا مطالعہ یعنی فلکیات عام آدمی کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ یونی ورسٹیوں اور دیگر بڑے اداروں میں ہونے والی تحقیق کی تو بات ہی الگ ہے، ان ممالک میں ہزارہا (بلکہ شاید لاکھوں) کی تعداد میں عام لوگ بھی فلکیات کی تحقیق میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ لوگ ''شوقیہ فلکیات دان'' (amateur astronomers) کہلاتے ہیں اور ان کی الگ انجمنیں بنی ہوئی ہیں۔ شوقیہ فلکیات دانوں کے پاس آسمان پر چاند، ستاروں اور سیاروں کا مشاہدہ کرنے کے لیے خصوصی دوربینیں ہوتی ہیں۔ آسمان کا اچھی طرح مشاہدہ کرنے کا اشتیاق ان لوگوں کو وقتاً فوقتاً رات کے وقت شہر سے باہر کسی کھلی اور تاریک جگہ لے جاتا ہے۔ اس ویرانے میں یہ لوگ شہر کی روشنیوں سے دُور ساری ساری رات دوربین کی مدد سے آسمان کے مختلف گوشوں کا مشاہدہ کر کے اپنے شوق کی تسکین کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی علمی پیاس بجھانے کے لیے صرف امریکہ میں فلکیات کے موضوع پر درجنوں جرائد شائع ہوتے ہیں۔ یہ رسالے دنیا کی بڑی بڑی رصدگاہوں اور تحقیقی مراکز میں ہونے والی جدید ترین تحقیق کے نتائج سے اپنے قارئین کو باخبر رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان رسالوں میں ہر ماہ ستاروں کے نقشے شائع ہوتے ہیں تاکہ آسمان کے مشاہدے سے دل چسپی رکھنے والے حضرات کو ستاروں کے بدلتے ہوئے مقامات کے مطابق آسمان کا کھوج لگانے میں دشواری نہ ہو۔

شوقیہ فلکیات دانوں کی دل چسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے عالمی سطح پر یہ اصول طے کر دیا گیا ہے کہ اگر آسمان پر کوئی دُم دار ستارہ پہلی مرتبہ نمودار ہوتا ہے تو جو شخص --- دنیا کا کوئی بھی شخص --- اس دُم دار ستارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا سب سے پہلے مشاہدہ کرے گا، یعنی اسے ''دریافت'' کرے گا، اس کا نام اسی شخص کے نام پر رکھ دیا جائے گا اور آیندہ ہمیشہ کے لیے اسی نام سے پکارا جائے گا۔ (اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے کوئی دُم دار ستارہ دریافت کیا ہے تو فوراً ''انٹرنیشنل اسٹرونامیکل یونین'' کے مخصوص مراکز میں سے کسی ایک میں اس کی اطلاع پہنچائیں......)۔

یہ اس معاشرے کا نقشہ ہے جو خدا کے وجود پر اعتقاد نہیں رکھتا اور نہ اسے ان تمام مشاہدات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں تلاش کرنے کا شوق ہے لیکن جب (ان شاء اللہ) اسلام کی نشاتِ ثانیہ ہوگی تو کیا اس وقت کے اسلامی معاشرے میں مظاہر کائنات کا کھوج لگانے کی کوششیں اس سے کہیں زیادہ ولولے، جذبے اور گرم جوشی سے نہ کی جائیں گی؟ میرے خیال میں یقیناً! کیونکہ رب کائنات نے تو ہمیں زمین و آسمان پر غوروفکر کرنے کا حکم دیا ہے اور یقیناً اس حکم پر عمل درآمد صرف اس حد تک کافی نہیں ہے کہ مثلاً ہم سورج، چاند، ستاروں کی ظاہری حرکت کا مشاہدہ کر کے خالق کائنات کی عظمت کے قائل ہوتے رہیں کہ اسی کے حکم سے یہ تمام اجرامِ فلکی بلاچون و چرا زمین کے گرد گھوم رہے ہیں، اور ہمیں اتنا بھی معلوم نہ ہو کہ آج سے سیکڑوں برس پہلے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سوائے چاند کے اور کوئی آسمانی جسم زمین کے گرد نہیں گھومتا۔ ہمارے مدرسین بھی ابھی تک درس قرآن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کی نشانیاں بیان کرتے وقت قدیم یونانی فلسفیوں کے تصورات ہی کے مطابق کائنات کا نقشہ کھینچتے ہیں۔

اس وقت دنیا بھر میں اسلام اور اسلامی تحریکوں کو جس طرح فروغ حاصل ہو رہا ہے اس کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کی نشاتِ ثانیہ کا خواب حقیقت کا رُوپ دھار سکتا ہے بشرطیکہ ہم اس کے لیے ایک ''ہمہ گیر جدوجہد'' کریں۔ مسلمان ممالک کے حکمران، عوام اور اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرنے والے سب افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ دیگر دنیاوی علوم کی طرح سائنس کے فروغ کی طرف بھی بھرپور توجہ دیں۔ اسلام کے غلبہ کا جذبہ رکھنے والے افراد اور تنظیموں کو اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے۔ اس وقت کی دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے سائنس و ٹکنالوجی ہی سب سے بڑا اور ضروری دنیاوی ہتھیار ہے جسے استعمال کرنا ہمارا فرض ہے۔

بیرون ملک اور اندرون ملک ڈاک کی شرح میں غیر معمولی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس کی مناسبت سے بیرون ملک زرتعاون میں فوری طور پر اضافہ کیا جا رہا ہے۔

بنگلہ دیش، ایران، بھارت: ۶۰۰ روپے۔ یورپ، مشرق اوسط، مشرق بعید، افریقہ: ۹۰۰ روپے۔ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۲۰۰ روپے۔

(ادارہ)

© rasailojaraid.com